ڈاکٹر محمد حمید اللہ

اسلامی قانون اور اس کے ماخذ

فقہائے متقدمین نے فقہ کی تعریف مختلف طور پر کی ہے۔ "معرفۃ النفس مالہا وما علیہا" یا دوسرے الفاظ میں انسان کے حقوق اور فرائض کا علم وہ تعریف ہے جو امام ابوحنیفہؒ سے منسوب کی جاتی ہے۔ متاخرین میں سے جناب محب اللہ بہاری نے اپنی کتاب (مرتبہ ۱۱۰۹ھ) میں اس ہمہ گیر موضوع کا تعارف مندرجہ ذیل الفاظ میں کرایا ہے:-

"مفصل دلائل شرعیہ کے ذریعہ (زندگی کے عملی مسائل کے متعلق) دینی احکام معلوم کرنے کا علم"۔ دلیل شرعی سے ان کی مراد وہ ماخذ یا اتھارٹی ہے جس کی وساطت سے معلومات حاصل ہوں۔ کتب فقہ کے مندرجات پر ایک نظر اس بات کو واضح کرنے کے لیے کافی ہے کہ زندگی کے تقریباً تمام مسائل، خواہ وہ مادی مسائل ہوں یا روحانی، پر محیط ہیں۔ مندرجہ بالا مستند تعریفوں اور کتب فقہ کے مندرجات کی فہرستوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات بغیر کسی شک وشبہ کے کہی جا سکتی ہے کہ بین الاقوامی قانون، (یعنی جنگ، صلح یا غیر جانبداری کی حالت میں حکمرانی کے اصول) عام ملکی قانون یعنی فقہ کا حصہ ہے اور کتب فقہ میں ریاست کے تعلقات کے اصولوں پر باب سیر کے تحت بحث کی گئی ہے۔"

اس مقام پر قانون کی ابتدا کے متعلق مسلمان فقہا کے نظریات کی توضیح

غیر موزوں نہ ہوگی کہ ان کا یہ کہنا ہے کہ انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ اچھے کام (حسن، فرض اور واجب) کرے۔ بدی (قبیح اور حرام) کے کاموں سے پرہیز کرے اور ان کے درمیانی درجات (مستحب، مباح، مکروہ) کے متعلق پوری احتیاط ملحوظ رکھے۔ تاہم نیکی اور بدی میں امتیاز اور خاص طور پر اس وقت جب کہ روزمرّہ کے عام معاملات کی بجائے مہذب اور متمدن زندگی کے نازک اور پیچیدہ مسائل سے واسطہ ہو، آسان کام نہیں عملی ضروریات اس بات کی متقاضی ہیں کہ تشریع (یعنی ہر مسئلے میں نیکی اور بدی کے درجات واضح طور پر متعین کرنے) کا اختیار انسان کے ہاتھ میں ہو۔ خواہ یہ حق فرد کو دیا جائے یا فقہائے امت کو، اور یا پھر منظم معاشرے یعنی ریاست کے پاس ہو۔ لیکن محض عقل کو نیکی اور بدی کا معیار مان لینے سے پیچیدہ مشکلات کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ مسلم فقہا کا کہنا ہے کہ اس بات کا امکان ہے، اور واقعہ بھی یہی ہے، کہ ایک ہی مسئلے پر مختلف انسانوں کے مابین اختلاف رائے موجود ہو۔ اور اس طرح اللہ کے رسولوں پر ایمان، اصول الفقہ کے نقطہ نظر کے مطابق بھی ضروری اور کارآمد ہے، کیونکہ ان رسولوں کے ساتھ عقیدت اور احترام کے نتیجے کے طور پر چند مبادی اور اصول بلا کسی حیل وحجت کے اور متفقہ طور پر تسلیم کر لیے جاتے ہیں۔ اور ان سے فروغ کا استخراج ممکن ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مسلمان مفکرین اس بات کے لیے اللہ تعالیٰ کے سپاس گزار ہیں کہ اس نے انسان کو عقل (نواد) کی نعمت سے نوازنے کے علاوہ ایسے برگزیدہ انسان ہادی بھیجے جو زندگی کے معاملات میں اس کی رہنمائی کر سکیں۔ ان برگزیدہ انسانوں نے نیکی اور بدی کے تعلق حقیقی حاکم اور شارع یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام ہم تک پہنچائے۔ انہی میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے جنہیں مسلمان رسول اللہ تسلیم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہوں نے اپنی حیات اقدس میں جو امر اور نواہی پہنچائے ہیں، انہیں عام مسلمان بلا حیل وحجت آخری اور مکمل طور پر عقل کے مطابق تسلیم کرتے ہیں۔ یہ الٰہی احکام جنہیں قرآن اور حدیث کے نام سے پکارا جاتا ہے (جس کے متعلق مفصل بحث آیندہ صفحات میں آئے گی۔) اس زمانے کے مسلم معاشرے کی ضروریات کے لیے کافی تھے۔ لیکن بعد میں انسانی ضروریات میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور ایسی نئی نئی صورتیں سامنے آئیں۔ جن کے بارے

میں رسول اللہ کے اقوال یا افعال میں کوئی واضح حکم موجود نہ تھا اور چونکہ خود رسول خدا اس دنیا سے تشریف لے جا چکے تھے۔ اور خدا اور انسان کے درمیان وہ رشتہ منقطع ہو گیا کہ جس سے انسان ہر چھوٹے بڑے معاملے میں اللہ تعالیٰ کے احکام سے مطلع ہو سکتا ہے۔ اس لیے اگر خود قانون میں اس کی مزید تشریح و توضیح کے لیے واضح گنجائش موجود نہ ہوتی تو اس صورت حال کا ابدی نتیجہ انتہائی مہلک ثابت ہوتا اور اس دباؤ کے تحت فقہ کا نظام درہم برہم ہو کر رہ جاتا، لیکن اس سلسلے میں فقہا کی اس خدمت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ قانون الٰہی میں اس لچک کا ادراک کیا بلکہ اس سے پورا پورا فائدہ بھی اٹھایا۔ چنانچہ ایک قلیل عرصے میں ایک مکمل قانونی نظام وجود میں آیا کہ جس نے ذی اقتدار مسلمانوں کی اس وقت کی بھی تمام ضروریات پوری کیں کہ جب ان کی سلطنت بحر الکاہل سے بحر اوقیانوس تک پھیلی ہوئی تھیں۔

اس طرح اگرچہ قانون کا مبداء اللہ تعالیٰ کے بلا واسطہ احکام تھے لیکن ان کی تشریح و توضیح کا وہ اختیار کہ جو انسانوں کے ہاتھ میں تھا اور جس سے کام لے کر انہوں نے قیاس اور دوسرے طریقوں سے فروغ کا استخراج کیا، ان کی تمام ضروریات کے لیے کافی تھا اور یوں ایک دہری ضرورت پوری ہو گئی، یعنی ایک طرف تو قانون کی تقدیس تھی کہ جس نے انسانوں کے دلوں میں احترام کے جذبات ابھارے اور دوسری طرف اس میں وہ لچک یا ترقی کی اہلیت پیدا ہو گئی جس نے اسے زمان و مکان کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے قابل بنایا۔

II

کسی علم کے ماخذ سے مراد وہ مقامات ہوتے ہیں کہ جہاں سے اس کے ضوابط بلا واسطہ اور بنیادی طور پر حاصل کیے جا سکیں۔ اصول الفقہ کے ماہرین اس مقصد کے لیے اصول (یعنی جڑیں) کی اصطلاح مبین استعمال کرتے ہیں۔ اور انہی اصول (یا جڑوں) سے قوانین شاخوں کی طرح پھوٹتے ہیں۔ اس سے ہمارا مقصود قوانین کا وہ مبداء نہیں کہ جس کی پشت پر قوت نافذہ موجود ہوتی ہے کیونکہ اس صورت میں قانون کا واحد سرچشمہ اور اس کا

کلی انحصار محض اس امر پر ہوتا ہے کہ کسی حکومت نے اس کے نفاذ کو تسلیم کر لیا ہے۔

اب ہم فقہ کے مندرجہ ذیل ماخذوں پر غور کریں گے۔

۱- قرآن مجید

۲- سنت یا احادیث نبویؐ

۳- خلفائے راشدینؓ کا تعامل۔

۴- دیگر مسلمان حکمرانوں کا طرزِ عمل بشرطیکہ مسلمان فقہاء نے اس سے برأت کا اظہار نہ کیا ہو۔

۵- نامور مسلمان فقہا کی آراء۔

(ا) اجماع

(ب) قیاس

۶- ثالثوں کے فیصلے

۷- بری اور بحری سپہ سالاروں، سفراء اور دوسرے سرکاری حکام کو دی جانے والی سرکاری ہدایات۔

غیر ملکیوں اور بین الاقوامی تعلقات سے متعلق ملکی قانون سازی۔

روایات اور عرف عام۔

۱- قرآن

مسلمانوں کے ہاں قرآن مجید کو وحی الٰہی اور نتیجتاً قانون کی بنیاد تسلیم کیا جاتا ہے یہ دراصل وحی الٰہی کا مجموعہ ہے بلکہ زیادہ صحیح طور پر حضرت جبریل کے واسطے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے والی وحی متلو[1] کا تخصیص شدہ مجموعہ ہے۔ قرآن مجید ایک ہی مرتبہ نازل نہیں کیا گیا بلکہ اس کے مختلف اجزاء رسول اللہ کے ۲۳ سالہ زمانہ بعد از بعثت میں وقتاً فوقتاً نازل

---

[1] قرآن مجید کے مطابق رسول خدا کا ہر فرمان وحی الٰہی پر مبنی تھا (وما ینطق عن الھوی۔ ان ھو الا وحی یوحی۔ النجم آیات ۳ تا ۴) لیکن نبی کے تمام فرمان نماز میں تلاوت نہیں کیے جا سکتے۔ اسی لیے وحی متلو اور وحی غیر متلو میں امتیاز کیا جاتا ہے۔

سے کیے جاتے رہے۔ جب بھی قرآن کا کوئی حصہ نازل ہوتا تو آپ فوراً اپنے کسی کاتب کو تحریر کروا دیتے۔ اس کے علاوہ آپ اس سورۃ اور مقام کی نشاندہی کر دیتے کہ جہاں وہ آیات درج کی جانی تھیں[۴۲] چنانچہ قرآنی آیات میں نزولی ترتیب قائم نہیں کی گئی۔ ظاہر ہے کہ زمانہ نبوی میں قرآن مجید کتابی شکل میں یکجا مرتب نہیں کیا گیا بلکہ آیات قرآنی کو اوراق، شانے کی ہڈیوں، کھجور کے پتوں، اور دوسری سہل الحصول چیزوں پر لکھا گیا[۴۳] اس کے علاوہ یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی آیات کے منسوخ ہو جانے پر فرمان نبوی کے مطابق انہیں مٹا دیا جاتا[۴۴] عام طور پر اصحاب نبوی کی یہ کوشش ہوا کرتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ آیات قرآنی حفظ کر لیں اور تحریری نقول بھی حاصل کر لیں، حتیٰ کہ نبوت کے پہلے سال میں قرآن مجید کے اس وقت کے نازل شدہ اجزا کی ذاتی نقول مکہ میں موجود تھیں[۴۵] یہ سلسلہ نبی کی وفات تک جاری رہا۔ جب کہ مندرجہ بالا تحریری نقول کے علاوہ کم از کم چار ایسے اصحاب موجود تھے کہ جن کے سینے میں پورا قرآن موجود تھا[۴۶] حفاظ قرآن کی تعداد تیزی سے بڑھتی گئی[۴۷] کیونکہ اس طرح دنیاوی فوائد عوامی شہرت اور سرکاری مناسب کا حصول کیا جا سکتا تھا[۴۸] حفاظ اور قاری آج تک اپنے شاگردوں کو اس امر کی سند عطا کرتے ہیں کہ جس طرح انہوں نے اپنے شاگردوں کو سکھایا ہے۔ اسی طرح آیات اور سورتوں کی اسی ترتیب

---

۴۲ مسند احمد بن حنبل (جلد ۱ - ۶۹) الترمذی، النسائی وغیرہ بحوالہ کنز الاعمال (جلد ۱ - ۵۹، ۴۷)

۴۳ کنز الا ل (جلد ۱ - ۵۹، ۴۷) بحوالہ البخاری، الترمذی، النسائی، ابن سعد وغیرہم۔

۴۴ ابن ہشام (صفحہ ۱۵ - ۱۰۱۴) کشف الاسرار - از عبد العزیز البخاری (شرح از Pazdawy) جلد ۳ صفحہ ۱۸۸:-

وقال الحسن رحمۃ اللہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اوتی قرآنا ثم نسیہ فلم یکن شیئا اولم یبق منہ شیئ لما رفع اللہ تعالیٰ عن قلبہ ذالک وکان ھذا جائزاً فی القرآن فی حیات النبی علیہ السلام۔

۴۵ ابن ہشام سیرت رسول اللہ صفحہ ۲۲۶ - ابن سعد ۳/۱ صفحہ ۱۹۲۔

۴۶ ابن سعد ۲/۲ صفحہ ۱۱۲ تا ۱۱۳ - البخاری باب فضائل القرآن باب القراء۔

۴۷ حضرت عمر کے ایک لشکر میں حفاظ کی تعداد تین سو تھی (کنز العمال جلد ۱ - صفحہ ۳-۴)

۴۸ کنز العمال جلد ۱ - صفحہ ۳۰ - ۴ (بحوالہ بن الزبیر بحوج)

اور اسی ترتیل اور قرآت کے ساتھ انہوں نے اپنے اساتذہ اور ان اساتذہ نے اپنے اساتذہ سے سیکھا تھا۔ ان درمیانی واسطوں کے نام درج ہوتے ہیں اور یہ سلسلہ حضورؐ تک پہنچتا ہے۔

رسول خدا کے خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ کے مختصر سے دو سالہ عہد میں آیات قرآن کو ترتیب نبوی کے مطابق کتابی شکل (مصحف) میں جمع کیا گیا۔ یہ ذمہ داری کا کام کرنے والے اصحاب اس وقت تک کسی جزو کو متن میں شامل نہ کرتے تھے جب تک کہ دو تحریری نقول مہیا نہ کی جائیں اور مزید برآں حفاظ اس کی تصدیق نہ کر دیں۔ یہ کام بخیر و خوبی تمام ہوا اور صرف ایک دو آیات کے معاملے میں ایک سے زیادہ تحریری شہادتیں بہم نہ پہنچائی جا سکیں [۹]۔

یہ مستند متن والا مصحف حضرت ابوبکرؓ کے پاس رہا۔ ان کی وفات کے بعد یہ حضرت عمرؓ کے استعمال میں رہا، ان کی شہادت کے بعد ان کی بیٹی ام المومنین حفصہؓ کی تحویل میں چلا گیا [۱۰]۔ تیسرے خلیفہ حضرت عثمان کے عہد میں دور دراز کے صوبوں میں مشکلات پیدا ہو گئیں۔ چنانچہ خلیفہ وقت کے حکم سے مصحف ابوبکرؓ کی سات نقول تیار کروا کے صوبوں کے دار الخلافوں کو بھیجی گئیں اور اصل مصحف حضرت حفصہؓ کو لوٹا دیا گیا۔ حضرت عثمانؓ نے یہاں تک حکم دے دیا کہ ہجا [۱۱] کے معاملے میں بھی مستند نقول کی پیروی کی جائے اور تمام ذاتی نقول جو مستند متن سے کسی درجے میں بھی مختلف ہوں، جمع کر کے تلف کر دی جائیں [۱۲]۔ موجودہ قرآن مجید حضرت عثمانؓ کے متن کے مطابق ہے۔

۲۔ سنّت :

اسلامی فقہ کے ماخذ میں ترتیب اور اہمیت کے لحاظ سے دوسرا درجہ سنت

۹ھ۔ بخاری (محولہ بالا نیز ۹۳: ۷، ۳۷، ۵ (۳) ابن سعد بحوالہ کنز العمال جلد ۱-۲-۴۷۷ - ۴۸۱-۴۸۰-۲-۴۸۰ -

۱۰ھ۔ بخاری ۶۶-۳-۹۳: ۳۷ ۱۱ھ۔ قسطلانی: عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۰۶

۱۲ھ بخاری ۶۶-۳ کنز العمال۔ جلد ۱۔ صفحہ ۴۷۹۹ -

کو حاصل ہے جو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل اور تقریر پر مشتمل ہے۔ حدیث نبویؐ میں پائے جانے والے فقہی ضوابط تعداد میں قرآنی ضوابط سے کہیں بڑھے ہوئے ہیں۔ حدیث کو قرآن مجید سے دوسرے درجہ پر رکھا جاتا ہے اور اس کی اصل وجہ احادیث کی صحت ثابت کرنے کے سلسلے میں دشواریاں ہیں، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ خود قرآن نے واضح اور غیر مشروط طور پر فرمان نبوی کو قرآن کے برابر کا درجہ دیا ہے [۱۳] کیونکہ رسولؐ کا ہر قول مرسل کی طرف سے سمجھا جاتا ہے۔

صحابہ کرامؓ نے نبیؐ کی زندگی ہی میں احادیث جمع کرنے کا کام شروع کر دیا تھا اور اس کے علاوہ دوسرا سرکاری تحریری مواد ہے کہ جس میں معاہدے، محصلین صدقات کے لیے ہدایات، خطوط و وثائق، مردم شماری کی رپورٹیں [۱۴] اور دوسرے کاغذات ہیں [۱۵]۔ وہ ہزارہا احادیث کہ جنہیں صحابہ نے ضبط تحریر کیا۔ یا زبانی تابعین تک پہنچا یا کہ جنہیں تابعین یا تبع تابعین تحریر میں لائے اپنی ایک دلچسپ تاریخ رکھتی ہیں۔ موجودہ مفکرین کافی عرصہ تک اس غلط فہمی میں رہے کہ احادیث کو تحریری طور پر جمع کرنے کا کام رسول اللہؐ کی وفات کے دو سو سال بعد شروع ہوا۔ بہت سے ہم عصر مسلم مفکرین نے، جن میں الکتانی، شبلی، سلیمان ندوی شامل ہیں۔ اس غلط نظریہ کی بے بنیادی کو واضح کیا ہے۔ حال میں مولانا مناظر احسن گیلانی نے اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے کہ جس کے بعد مزید کچھ کہنے کی گنجائش سوائے اس کے کہ قارئین کو اس امر کی طرف متوجہ کیا جائے کہ رسول اللہؐ کی زندگی پر کافی مواد کتب احادیث کے علاوہ بھی ملتا ہے۔

---

۱۳ - سورہ النجم (۳ تا ۴) احزاب (۲۱) حشر (۷)

۱۴ - بخاری جلد ۱ - ۵۶ - ۱۸۱

۱۵ - ملاحظہ ہو الوثائق السیاسیہ از مصنف